AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

# طہارت سے متعلق قواعد فقہیہ اور ان کی عصری تطبیقات: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

# *Jurisprudential Maxims Related to Purification and Their Contemporary Applications: A Research-Based Analytical Study*

***Dr Hafiz Zakirullah***
*Assistat Professor, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan.*

***Abstract***

*Islamic jurisprudence (Fiqh) provides a comprehensive framework for various aspects of life, including purification (Ṭahārah). The study of jurisprudential maxims (Qawāʿid Fiqhiyyah) related to purification offers essential guidelines for deriving legal rulings in both classical and contemporary contexts. This research delves into the key maxims presented by the renowned Hanafi scholar, ʿAllāmah Ibn al-Humām in* Fatḥ al-Qadīr*, analyzing their linguistic and terminological foundations alongside their practical applications in modern times.*

*The study explores seven fundamental maxims:*

1. *When faced with two prohibitive matters, one must choose the lesser evil. This aligns with the broader principle* al-Ḍarar yuzāl *(harm should be removed).*
2. *Necessity-based rulings are restricted to the extent of the necessity. This is a subset of* al-Ḍarūrāt tubīḥ al-maḥẓūrāt *(necessities permit prohibitions).*
3. *Avoiding disagreement is recommended. This principle ensures unity and precaution in legal practice.*
4. *Certainty is not removed by doubt. This maxim plays a crucial role in various legal judgments.*
5. *Preponderance of probability is akin to certainty. Many legal rulings are based on overwhelming probability rather than absolute certainty.*
6. *Every tanned hide becomes pure. This principle determines the permissibility of using leather from impure sources after tanning.*
7. *Absolute water removes impurities, whereas conditioned water does not. This establishes clear guidelines for purification and ritual cleansing.*

*By examining these maxims in light of modern challenges, this study highlights their relevance in contemporary jurisprudential discourse. The findings contribute to the ongoing scholarly discussions regarding purification laws and their application in evolving social and environmental contexts.*

***Keywords*** *:Fiqh maxims, purification, contemporary applications, Islamic jurisprudence, Ṭahārah principles*

## تعارف موضوع

فقہ اسلامی میں طہارت (پاکیزگی) کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ یہ عبادات کی صحت کے لیے ضروری شرط ہے۔ فقہاء کرام نے طہارت کے اصولوں کو قواعد فقہیہ کی روشنی میں بیان کیا ہے، تاکہ ان سے عمومی اور خصوصی احکام اخذ کیے جا سکیں۔ اس تحقیق میں علامہ ابن ہمام کی کتاب فتح القدیر میں بیان کردہ طہارت سے متعلق سات بنیادی قواعد فقہیہ کا تحقیقی اور تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ قواعد نہ صرف فقہی اصولوں کی روشنی میں طہارت کے بنیادی احکام کو واضح کرتے ہیں بلکہ عصر حاضر میں ان کی تطبیقات کا جائزہ لینا بھی

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ضروری ہے۔ جدید دنیا میں پانی کی کمی، ماحولیاتی آلودگی، طبی مسائل اور دیگر چیلنجز کے تناظر میں طہارت کے مسائل پر نظر ثانی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس تحقیق میں بیان کردہ اصول، جیسے الیقین لایزال بالشک (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا) اور الخروج عن الخلاف مستحب (اختلاف سے بچنا مستحب ہے)، فقہ اسلامی میں اجتہاد کے دروازے کو وسیع کرتے ہیں۔ یہ تحقیق ان فقہی قواعد کی تفہیم کو آسان بناتے ہوئے ان کے عصری فوائد کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتی ہے، تاکہ اسلامی فقہ کے عملی اور تحقیقی دائرہ کار کو مزید تقویت ملے۔

اس بحث میں طہارت سے متعلق قواعد فقہیہ اور ان کی عصری تطبیقات بیان کی جائیں گی۔ ہمارے تتبع کے مطابق علامہ ابن ہمام نے طہارت سے متعلق درج ذیل قواعد فقہیہ بیان کیے ہیں:

1. من ابتلى بين أمرين محظورين عليه أن يرتكب أهونهما
2. الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها
3. الخروج عن الخلاف مستحب
4. اليقين لا يزول بالشك
5. غلبة الظن تقرب من اليقين
6. كل إهاب دبغ فقد طهر
7. الماء المطلق تزال به الأحداث والمقيد لا يزيل

ذیل میں ان قواعد کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

**پہلاقاعدہ: من ابتلى بين أمرين محظورين عليه أن يرتكب أهونهما**

یعنی اگر کوئی شخص دو ممنوع (حرام) کاموں میں سے کسی ایک کے ارتکاب پر مجبور ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان میں سے کم نقصان والے کام کا انتخاب کرے۔[1] یہ قاعدہ اصل قاعدہ الضرر یزال (نقصان کو دور کیا جائے) کا ایک ضمنی قاعدہ ہے۔ اس قاعدہ کو درج ذیل الفاظ میں بھی بیان کیا جاتا ہے:

**(إذَا تَعَارَضَت مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا)** [2]

"جب دو نقصان دہ چیزیں آپس میں ٹکرائیں تو ان میں سے زیادہ نقصان والی چیز کو چھوڑ کر کم نقصان والی چیز کو اختیار کیا جائے گا۔"

بعض حضرات نے اس قاعدہ کو یوں بیان کیا ہے:

**(الأصل أن من ابتلي ببليتين - وهما متساويتان - يأخذ بأيتهما شاء، وإذا اختلفتا يختار أهونهما لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا لضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة)** [3]

"قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو برابر کی برائیوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتا

(1) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (1/190)

(2) السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن (ت ھ) الأشباه والنظائر، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ۰ھ م (ص87)

(3) البورنو، محمد صدقي بن أحمد بن محمد أبو الحارث الغزي، موسوعة القواعد الفقهية، مؤسسة الرسالة، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، ھ ۰۰ م (1/1/229)

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ہے۔ لیکن اگر یہ برائیاں مختلف ہوں تو اسے کم نقصان والی برائی کا انتخاب کرنا چاہیے، کیونکہ حرام کام کا ارتکاب صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے، اور زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

**قاعدہ کا مفہوم**

**1۔ لغوی واصطلاحی معنیٰ**

"محظور" کا لغوی معنی ہے "روکنا"۔ کسی چیز کو حرام قرار دینے کا مطلب ہی اسے روکنا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾ (1)

""اور آپ کے رب کی عطا روکی نہیں گئی۔"

اور اس کا اصطلاحی معنی ہے: حرام کام۔ یعنی یہ "مباح" کی ضد ہے۔ (2)

**2۔ مجموعی مفہوم**

شریعت کے اہم مقاصد میں سے ایک مفاسد کو روکنا اور حتی الامکان ضرر کو دور کرنا ہے۔ اگر ضرر کو پوری طرح دور کرنا ممکن نہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو زیادہ نقصان والی چیز کو دور کرنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص نقصان کے لحاظ سے مختلف دو نقصان دہ کاموں میں سے ایک کے ارتکاب پر مجبور ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ ان میں سے کم نقصان والے کام کا انتخاب کرے۔ یہ قاعدہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت پر مبنی ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (3)

"وہ آپ سے حرمت کے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کیا اس میں لڑائی جائز ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اس میں لڑائی ایک بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام اور اس شہر کے باشندوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ (یعنی لوگوں کو گھر سے بے گھر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔"

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا، اس کا انکار کرنا، اس کے راستے سے روکنا اور مسجد الحرام سے اس کے رہنے والوں کو نکالنا حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے سے زیادہ بڑی خرابی ہے۔ لہٰذا جب معلوم ہوا کہ کچھ خرابیاں دوسری خرابیوں سے بڑی ہیں اس لیے دونوں کے جمع ہونے کی صورت میں چھوٹی خرابی کو اختیار کرنا بڑی خرابی کی نسبت بہتر ہے۔

(1) الإسراء 17: 20

(2) ابن الأثير، مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد، النهاية في غريب الحديث والأثر، المكتبة العلمية، بيروت، 1979م، ج 1، ص 405

(3) البقرة 2: 217

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

### 3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ

اس قاعدہ سے درج ذیل دو مسائل اخذ کیے گئے ہیں:

**پہلا مسئلہ**

اگر کسی شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو لیکن نجاست کا ازالہ کرنے سے شرمگاہ لوگوں کے سامنے کھل جانے کا خطرہ ہو تو ابن الہمام کے نزدیک نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھنا درست ہے۔ انہوں نے اپنے اس موقف کی دلیل یہ دی کہ نجاست کو پاک کرنا واجب تو ہے لیکن اس کے واجب ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ ممکن ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے زیادہ برائی کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ لہٰذا اگر کسی کے بدن پر نجاست لگ جائے اور اسے لوگوں کے سامنے اپنی شرمگاہ کھول کر ہی اسے صاف کرنا پڑے تو وہ اس نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا کیونکہ شرمگاہ کھولنا زیادہ سخت برائی ہے۔ لہٰذا زیادہ نقصان والے کام کو چھوڑ دیا جائے گا اور کم نقصان والے کام کا انتخاب کیا جائے گا۔[1]

**دوسرا مسئلہ**

جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہو اور وہ بے وضو بھی ہو لیکن اس کے پاس صرف ایک ہی طہارت کے لیے کافی پانی ہو، تو ابن الہمام کے نزدیک اسے چاہیے کہ وہ اس پانی کو نجاست دور کرنے کے لیے استعمال کرے اور پھر تیمم کر کے حدث دور کرے۔ اس طرح وہ دونوں طہارتیں حاصل کرلے گا کیونکہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا حدث کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ سخت ہے۔[2]

البتہ تیمم صرف نجاست کو پانی سے دور کرنے کے بعد ہی درست ہو گا۔ کیونکہ تیمم تب ہی جائز ہے جب پانی میسر نہ ہو۔ یہی حنفیہ، مالکیہ کی رائے اور شافعیہ وحنابلہ کا ایک قول ہے۔[3] جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کا دوسرا قول اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ نجاست دور کرنے سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے۔[4]

بظاہر اس مسئلہ میں ابن الہمام اور جمہور کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پانی سے نجاست دور کی جائے اور پھر نماز کے لیے تیمم کیا جائے کیونکہ یہ زیادہ معقول ہے۔ فرض کریں کہ اگر اس کے بدن پر نجاست نہ ہوتی اور اسے وضو کے لیے پانی نہ ملتا تو تب بھی وہ تیمم کر کے ہی نماز پڑھتا، لہٰذا اس صورت میں بھی اسے چاہیے کہ پہلے پانی سے نجاست دور کرے اور پھر جب پانی نہ بچے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

**دوسرا قاعدہ: الثابت بالضرورة يتقدر بقدرها**

یعنی جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہو، وہ اسی ضرورت کی حد تک ہو گی۔ یہ قاعدہ اصل قاعدہ "الضرورات تبيح

---

(1) فتح القدير لابن الهمام (190/1)

(2) أيضا

(3) النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف، المجموع شرح المهذب، دار الفكر، بيروت، ج2، ص271، المرداوي، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان، الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، دار إحياء التراث العربي، ج1، ص274

(4) فتح القدير لابن الهمام (190/1)

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

المحظورات"(ضروریات ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہیں۔)کا ہی ایک حصہ ہے۔[1]

**قاعدے کا مفہوم**

**1۔ لغوی واصطلاحی معنٰی**

لفظ"ضرورت"لغت میں"ضرر"اور"ضُرّ"اور"اضطرار"سے ماخوذ ہے۔[2] اضطرار کا معنٰی مجبوری، ضرر کا معنٰی ہے تکلیف اور"ضر" کے معنی ہیں فقر وفاقہ اور بیماری۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے:

﴿أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ [3]

"کہ مجھے بیماری نے آگھیرا ہے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ [4]

"پس جو شخص مجبور ہو جائے اس حال میں کہ نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔"

لفظ"ضرورت"لغت میں مجبوری کے معنٰی میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں ضروریات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی کی بقا کو خطرات لاحق ہوں۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو دنیا کے معاملات فساد کی طرف چلے جائیں گے جن میں سے اہم ترین چیزیں دین، جان، نسل، مال اور عقل کا تحفظ ہے۔[5]

اور لفظ"قدر"کے معنی لغت میں"کسی چیز کی مقدار"کے ہیں۔[6] قرآن کریم میں ہے:

﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ﴾ [7]

"وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔"

**2۔ مجموعی مفہوم**

یہ قاعدہ بتاتا ہے کہ جو کچھ بھی ضرورت کے تحت جائز قرار دیا گیا ہے، چاہے وہ کسی کام کا کرنا ہو یا اس کا ترک کرنا ہو، صرف اس حد تک جائز ہے جس سے ضرر اور تکلیف دور ہو سکے۔ اضطرار صرف ممنوع چیزوں کو اس حد تک جائز کرتا ہے جہاں تک کہ وہ ممانعت کو دور کر دے، اور اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جب خطرہ ٹل جائے تو پھر سے ممانعت واپس آجاتی ہے۔[8]

(1)السبكي، تاج الدين عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي (ت هـ) الأشباه والنظائر، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى هـ م (1/49)

(2)الجرجاني، التعريفات، ج1، ص138

(3)الأنبياء21: 83

(4)البقرة2: 173

(5)الشاطبي، أبو إسحاق إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي (ت ٠ هـ)الموافقات، دار ابن عفان، الطبعة: الأولى، هـ م، ج 1، ص 20

(6)ابن فارس، أحمد القزويني الرازي، أبو الحسين (ت هـ) مجمل اللغة، مؤسسة الرسالة – بيروت، الطبعة الثانية ٠ هـ م ج1، ص745

(7)العنكبوت29: 62

(8)شبير، القواعد الكلية والضوابط الفقهية في الشريعة الإسلامية، ص221

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

### 3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ

اس قاعدے سے گزشتہ زمانہ کی طرح موجودہ زمانہ میں کئی مسائل اخذ کیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک مسئلہ "ایک تیمم سے طہارت کا حکم اور اس سے جائز ہونے والی عبادات کا حکم" ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ تیمم حدث کو دور کرتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی طہارت "مطلق طہارت" ہوتی ہے، یعنی جب تک پانی نہ ملے طہارت برقرار رہے گی۔ اس بنیاد پر انہوں نے وقت سے پہلے تیمم کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور ایک تیمم سے متعدد فرض نمازیں بھی ان کے نزدیک ادا کی جاسکتی ہیں۔ یہ موقف حنفیہ، ابن حزم کا ہے اور مالکیہ کا ایک قول ہے۔[1]

انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں:

پہلی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

**(إن الصعيد الطيب طهور المسلم)**[2]

"پاک مٹی مسلمان کے لیے پاک کرنے والی چیز ہے۔"

دوسری دلیل: اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

**(جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا)**[3]

"میرے لیے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے۔"

تیسری دلیل: "طہور" پاک کرنے والی چیز کا نام ہے، لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیمم سے حدث دور ہو جاتا ہے اور انسان پاک ہو جاتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک تیمم صرف جائز کرنے والا ہے، حدث کو دور کرنے والا نہیں۔ اور اس کی طہارت صرف وقتی ضرورت کے لیے ہے، مطلق نہیں۔ اسی بنیاد پر انہوں نے وقت سے پہلے تیمم کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر فرض نماز کے لیے الگ تیمم کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا ایک ہی تیمم سے دوسری فرض نماز ادا نہیں کی جاسکتی، بلکہ دوسری فرض نماز کے لیے نیا تیمم کرنا ہوگا۔ البتہ انہوں نے نفل نماز کے لیے تیمم کو ضروری نہیں قرار دیا ہے۔ اس رائے کی تائید مالکیہ (مشہور قول کے مطابق) اور حنابلہ بھی کرتے ہیں۔

امام شافعی نے اپنے مسلک پر فقہی قاعدہ "جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہو، وہ اسی ضرورت کی حد تک ہوگی" کو بطور دلیل پیش کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیمم ایک ضروری متبادل ہے، لہٰذا اس کا متبادل ہونا ضرورت کی حد تک ہوگا، اور وقت سے پہلے کوئی ضرورت نہیں ہے۔[4]

ابن الہمام نے امام شافعی پر اعتراض کیا کہ انہوں نے ایک تیمم سے نوافل کی جتنی چاہیں نمازیں پڑھنے کی اجازت دی تاکہ نیکیاں زیادہ

---

(1) ابن الهمام، فتح القدير، ج1، ص121

(2) الترمذي، محمد بن عيسى، سنن الترمذي، مطبعة مصطفى البابي، مصر، ط2، 1975م، كتاب الطهارة، باب التيمم للجنب إذا لم يجد الماء، ج1/ص211

(3) البخاري، صحيح البخاري (1/95) كتاب الصلاة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، رقم الحديث:

(4) فتح القدير للكمال بن الهمام (1/159)

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ہوں، لیکن فرض نمازوں میں ایسا کرنے سے منع کیا حالانکہ فرائض میں ثواب نوافل سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا اگر بہت سے نوافل جائز ہیں تو پھر فرائض کیوں جائز نہیں؟[1]

ان دونوں آراء کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے موقف کی بنیاد صریح شرعی دلائل پر ہے جو وقت یا عبادت کی قسم کی کوئی قید کے بغیر پاک مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جبکہ امام شافعی کے مسلک میں احتیاط کی بنا پر زیادہ سختی اختیار کی گئی ہے۔ اس لیے بظاہر جمہور کی رائے زیادہ قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے اور ایک تیمم سے بہت سے نوافل پڑھنا جائز ہے۔

## تیسرا قاعدہ: الخروج عن الخلاف مستحب

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ "اختلاف سے بچنا مستحب ہے"۔[2] اس قاعدہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

### قاعدے کا مفہوم

### 1۔ لغوی واصطلاحی معنٰی

خلاف کا لغوی معنٰی وہی ہے جو اردو میں اختلاف کے لفظ کے ساتھ مستعمل ہے یعنی مخالفت کرنا۔[3]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ [4]

"منافق رسول اللہ کی مخالفت میں اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے ہیں۔"

اور خلاف کا اصطلاحی معنٰی "دو فریقین کے درمیان حق کے حصول یا باطل کو رد کرنے کے لیے ہونے والا اختلاف" ہے۔[5] اسی طرح مستحب کا لغوی معنٰی ہے: "پسند کیا ہوا"۔[6] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى﴾ [7]

"تو انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی"۔

اور مستحب کا اصطلاحی معنٰی مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"وہ عمل جو فرض اور واجبات سے زائد شریعت میں مشروع کیا گیا ہے۔"[8]

---

(1) فتح القدير للكمال بن الهمام (1/159)

(2) أيضا (1/32)

(3) الرازي، مختار الصحاح، ج1، ص95. ابن فارس، مجمل اللغة، ج1، ص498

(4) التوبة9: 81

(5) الجرجاني، التعريفات، ج1، ص101

(6) الرازي، مختار الصحاح، ج1، ص65

(7) فصلت41: 17

(8) الجرجاني، التعريفات، ج1، ص213

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

بعض حضرات یوں تعریف کرتے ہیں:

"وہ عمل جسے کرنے والا ثواب پاتا ہے اور نہ کرنے والا سزا نہیں پاتا۔"(1)

## 2۔ مجموعی مفہوم

اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی اجتہادی مسئلے میں اختلاف پایا جائے تو مکلف کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے دین کے لیے زیادہ احتیاط والا عمل کر کے اختلاف سے نکل جائے، یہی بہتر اور افضل ہے۔

البتہ علماء نے اختلاف کی رعایت کے لیے چند اہم شرائط بیان کی ہیں، وہ یہ ہیں:

1. مخالف کا موقف مضبوط ہونا چاہیے۔ اگر اس کا موقف کمزور ہو تو اس کی رعایت نہ کی جائے۔
2. اختلاف کی رعایت کرنے سے اجماع کی مخالفت نہ ہو۔
3. مختلف مذاہب کے درمیان تطبیق ممکن ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو جو راجح ہو اس کو نہ چھوڑا جائے۔(2)

## 3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ

یہ قاعدہ طہارت کے کئی مسائل پر لاگو کیا گیا ہے، جن میں سے ایک مسئلہ درج ذیل ہے:

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ سر کا مسح کرنا وضو کے فرائض میں سے ہے، لیکن سر کا مکمل مسح کرنے کے حکم میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔(3)

اس کی دلیل قرآن کریم کی درج ذیل آیت ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (4)

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اپنے چہرے دھوئیں اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئیں اور اپنے سروں کا مسح کریں اور ٹخنوں تک پاؤں دھوئیں۔"

انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا کہ جب "باء" متعدد چیزوں پر داخل ہوتی ہے تو اس سے مراد کچھ حصہ ہوتا ہے۔(5) مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ انہوں نے اس کی تائید میں درج ذیل دلائل پیش کیے:

الف: اللہ تعالیٰ نے "رأس" کا ذکر کیا ہے اور "رأس" پورے سر کا نام ہے، لہٰذا اس سے پورے سر کا مسح کرنا واجب ہوتا ہے۔

---

(1) المنياوي، أبو المنذر محمد بن محمد، المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول، المكتبة الشاملة، مصر، ط1، 2010م، ص 21

(2) الزركشي، بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الشافعي (ت هـ) المنثور في القواعد الفقهية، وزارة الأوقاف الكويتية، الطبعة: الثانية، ١٤٠٥ هـ م، ج2، ص129

(3) الكاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، ملك العلماء (ت هـ) بدائع الصنائع، مطبعة شركة المطبوعات العلمية بمصر، الطبعة: الأولى هـ، ج1، ص4

(4) المائدة5: 6

(5) الشربيني، شمس الدين، محمد بن محمد، الخطيب [ت هـ] مغني المحتاج، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٥ هـ م، ج1، ص176

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ب:"برؤوسکم"میں حرف "باء" تبعیض کے لیے نہیں بلکہ یہ حرف الصاق ہے جو ملانے کے لیے آیا ہے۔لہذا اس کا تقاضا ہے کہ فعل کو مفعول سے ملایا جائے،یعنی سر کا مسح کرنا اور سر پورے سر کا ہی نام ہے۔(1)

فقہاء کے ان مختلف آراء کے بعد امام ابن الہمام کی رائے کے مطابق مکلف کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس اختلاف سے نکل کر وہ کام کرے جو اس کے دین کے لیے زیادہ احتیاط والا ہو،یعنی پورے سر کا مسح کرلے،یہی بہتر اور افضل ہے۔

اسی طرح فقہاء نے اس سے بہت سے مسائل اور دوسرے ذیلی قواعد اخذ کیے ہیں۔یہ قاعدہ فقہ کے اکثر ابواب میں داخل ہے اور بہت سے فقہی قواعد اور ضوابط کی بنیاد ہے۔

**چوتھا قاعدہ:اليقين لا يزول بالشك**

یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔یہ قاعدہ فقہ کے بنیادی اور اہم قواعد میں سے ایک ہے اور ابن الہمام نے اسے کئی فقہی مسائل میں ذکر کیا ہے۔اس قاعدہ کا لغوی واصطلاحی مفہوم طہارت کے قواعد میں گزر چکا ہے۔(2)

**قاعدے کا مفہوم**

**1۔لغوی واصطلاحی معنٰی**

یقین لغت میں شک کی ضد ہے۔یہ لفظ لغت میں متعدی ہے۔"يقنته"، "يقنت به"، "أيقنت به" کا معنٰی ہے میں نے اس کا یقین کرلیا۔اور اصطلاح شرع میں اس سے مراد تصدیق ہے جو ظن،جزم،تقلید اور جہل مرکب کے بعد حاصل ہو جسے علم الیقین،عین الیقین اور حق الیقین کہا جاتا ہے۔یہ ایک قطعی علم ہوتا ہے۔اس طرح مناطقہ کے نزدیک تصدیق سات اقسام ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔(3)

اسی طرح شک کا لغوی معنٰی ہے:داخل کرنا۔کہا جاتا ہے:"شككته بالرمح"،یعنی اسے نیزے سے چبھو دیا اور نیزہ اس کے جسم میں گھس گیا۔اسے شک اس لیے کہا جاتا ہے کہ گویا شک کرنے والے کے سامنے دو چیزیں ایک ہی غلاف میں گھس گئیں اور اسے کسی ایک چیز کا یقین نہیں ہے۔

اصطلاح میں شک کا معنٰی ہے "شک کرنے والے کے ذہن میں دو متضاد چیزوں کے درمیان بغیر کسی کو ترجیح دیے تردد کا ہونا۔"بعض حضرات نے اسے یوں تعبیر کیا ہ:"وہ چیز جس کے دونوں پہلو برابر ہوں،اور دل کسی ایک طرف مائل نہ ہو۔"(4)

**2۔مجموعی مفہوم**

قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز کسی دلیل یا علامت سے ثابت،یقینی اور طے شدہ ہو،وہ محض شک کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی۔کیونکہ عقلی طور پر کسی یقینی امر کو اس سے کمزور چیز زائل نہیں کرسکتی بلکہ اسے زائل کرنے کے لیے اس جیسی یا اس سے زیادہ قوی چیز کی ضرورت

(1)ابن رشد، أبو الوليد محمد بن أحمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، دار الحديث، القاهرة، 2004م، ج1، ص21

(2)ابن الهمام، فتح القدير، ج1/ص164، ج2/ص292

(3)ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، ج3، ص173

(4)الجرجاني، التعريفات، ج1، ص128

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ہوتی ہے اور یقین کا حکم اس پر جاری رہتا ہے جب تک کہ کوئی معتبر دلیل اس حکم کو تبدیل نہ کر دے۔[1]

اس قاعدے سے کئی فقہی مسائل اخذ کیے گئے ہیں، جن میں سے طہارت کے باب میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کپڑے ناپاک ہو جائے اور اسے کپڑے کے ناپاک ہونے کا یقین ہو اور جب اس کو پاک کیا جائے تو اس کی طہارت کا ابھی یقین نہ ہوا ہو بلکہ ابھی طہارت میں شک ہو تو ایسی صورت میں اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ یقین شک سے سے زائل نہیں ہوتا۔[2]

اسی مسئلہ کی ایک ضمنی صورت یہ ہے کہ اگر یہ یقین ہے کہ کپڑے پر نجاست لگی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کس مقام پر لگی ہے تو کسی ایک جگہ سے کپڑے کا دھونا طہارت کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ پورا کپڑا دھویا جائے، اس لیے کہ کپڑے کی نجاست کا پہلے یقین ہو چکا ہے۔ اب اگر کسی ایک جگہ سے کپڑے کو دھویا جائے گا تو اس کی طہارت میں شک ہو گا اور قاعدہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔[3]

### پانچواں قاعدہ: غلبة الظن تقرب من اليقين

یعنی غالب گمان کا حکم یقین کے قریب ہے اور اس سے بھی بہت سے ایسے احکام ثابت ہو جاتے ہیں جو یقین سے ثابت ہوتے ہیں۔[4]

اس قاعدہ کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے:

**المظنة تقوم مقام اليقين**

گمان یقین کے قائم مقام ہے۔

**مجموعة من المؤلفين، الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت (38/ 145)**

### قاعدہ کا مفہوم

#### 1۔ لغوی واصطلاحی معنٰی

ظن کا لغوی معنی ہے: گمان، شک۔[5] بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا معنٰی ہے: "یقین سے کم درجے کا علم۔"[6] اور اس کا اصطلاحی معنی ہے:

**(الاعتقاد الراجح مع احتمال النقيض)** [7]

"ایسا اعتقاد جو راجح ہو لیکن اس کے برعکس ہونے کا احتمال بھی ہو۔"

بعض حضرات شک، ظن اور غلبہ ظن کے معانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان میں یوں فرق بیان کرتے ہیں:

**(الشك ما استوى طرفاه، وهو الوقوف بين الشيئين لا يميل القلب إلى أحدهما، فإذا**

(1) الزرقا، شرح القواعد الفقهية، ص82، شبير، القواعد الكلية والضوابط الفقهية في الشريعة الإسلامية، ص131

(2) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (1/185)

(3) الكاساني، بدائع الصنائع، ج 1/ص 81

(4) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (1/54)

(5) ابن فارس، مجمل اللغة، ج1، ص599

(6) الرازي، مختار الصحاح، ج1، ص197

(7) الجرجاني، التعريفات، ج1، ص144

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

ترجح أحدهما على الآخر فهو ظن، فإذا طرحه فهو غالب الظن، وهو بمنزلة اليقين) [1]

"شک وہ ہوتا ہے جب دونوں طرف برابر ہوں، یعنی دل دو چیزوں کے درمیان ہو اور کسی ایک طرف نہ جھکے۔ لیکن جب ایک دوسرے پر غالب آ جائے تو یہ ظن ہے۔ اور جب دوسری (کمزور) جانب کو چھوڑ دیا جائے تو یہ غالب ظن ہے، وہ یقین کے درجہ میں آجاتا ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "غالب ظن" قوی گمان کو کہتے ہیں اور یقین وہ علم جس میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ یقین کو مناطقہ کی اصطلاح میں "جزم" کہا جاتا ہے اور اسی جزم کو عام طور پر فقہاء یقین کہتے ہیں اور کبھی کبھی لفظ علم کو بھی اسی معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

## 2۔ مجموعی مفہوم

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ غالب گمان کا حکم احکامِ شرع میں یقین کی طرح ہے اور جب حقیقت تک رسائی نہ ہو تو دین کی احتیاط کے پیش نظر غالب گمان پر ہی عمل کرنا ضروری ہے، تاکہ دین کی حفاظت رہے اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے حفاظت ہو کیونکہ انسان کے لیے ہر چیز کی حقیقت اور اس کے یقینی علم تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ [2]

## 3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ

طہارات اور عبادات کے باب میں اس قاعدے سے کئی مسائل اخذ کیے گئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مفضاۃ یعنی جس عورت کی پیشاب اور پاخانے کی جگہ کا پردہ کسی بیماری کی وجہ سے ختم ہو جائے، اگر اس کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کے لیے وضو کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ مقعد سے ہوا خارج ہونے کی صورت میں تو وضو بالاتفاق واجب ہے اور دوسرے راستے سے ہوا خارج ہو تو وضو واجب نہیں ہوتا لیکن چونکہ مفضاۃ کے دونوں راستے ایک ہو چکے ہیں اور زیادہ تر ہوا مقعد کے رستے سے ہی خارج ہوتی ہے اس لیے اس ہوا کے خارج ہونے میں زیادہ احتمال یہی ہے کہ وہ مقعد سے خارج ہوئی، لہٰذا غلبہ ظن کو یقین کا حکم دیا جائے گا اور اس پر اس ہوا کے خارج ہونے کی وجہ سے وضو کرنا واجب ہو گا۔ [3]

اس مسئلے کی بنیاد اس مسئلہ پر ہے کہ مرد کے ذَکر یا عورت کی حیض والی شرمگاہ سے نکلنے والی ہوا کے بارے میں اکثر حنفیہ اور مالکیہ کا کہنا ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں ہے، کیونکہ یہ درحقیقت اختلاج یعنی پٹھوں کی اینٹھن ہے، ہوا نہیں ہے اور نجاست کی جگہ سے نہیں نکلتی۔ جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حدث ہے اور وضو واجب کرتی ہے۔ [4]

## چھٹا قاعدہ: كل إهاب دبغ فقد طهر

یعنی جس کی کھال جسے دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس کے بنے ہوئے مشکیزہ میں اگر پانی ڈالا جائے تو اس سے وضو کرنا جائز

(1) الجرجاني، التعريفات، ص128

(2) البورنو، موسوعة القواعد الفقهية، ج7، ص492

(3) الكاساني، بدائع الصنائع، ج1/ص27، ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، ج1/ص136، النووي، المجموع، ج2/ص6

(4) النووي، المجموع، ج2/ص4، ابن قدامة، المغني، ج1/ص125

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

ہے اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ چاہے وہ مردار کی کھال ہی کی کیوں نہ ہو۔[1]

**قاعدہ کا مفہوم**

**1۔ لغوی واصطلاحی معنٰی**

الإهاب: لغت میں دباغت سے پہلے کی کھال کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع "أُهُب" آتی ہے۔[2]

اصطلاح میں، "الإهاب" ماکول اللحم جانور کی کھال کو کہا جاتا ہے جس کو ابھی دباغت نہ دی گئی ہے۔ دباغت کے بعد اسے "اَدیم" کہا جاتا ہے۔[3]

دُبغ: لغت میں "دَبغ الجلد" (کھال کی دباغت کرنا) سے ماخوذ ہے۔ دباغت کا مطلب ہے مخصوص اشیاء کے ذریعے کھال سے بدبو، نجاست اور نمی کو دور کرنا۔[4]

طھر: لغت میں یہ باب کرم سے ہے۔ "طھر طھارۃ" کا معنٰی ہے پاک ہونا۔ اور یہ حیض اور نجاست کا متضاد ہے۔[5]

اصطلاح میں اس کا مطلب مخصوص طریقے سے مخصوص اعضاء کو دھونا ہے اور اس کا مطلب گندگی سے پاک ہونا ہے۔ تطہیر کا مطلب نجاست سے پاک کرنا ہے۔[6]

**2۔ مجموعی مفہوم**

اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر وہ کھال جس کو دباغت دے کر پاک کرنے کی گنجائش موجود ہو اور اس کے حرام ہونے پر کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو ایسی کھال دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے اور اپنی ضروریات کے لیے اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

**3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ**

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ہر وہ کھال جس میں دباغت کی گنجائش ہو اگر اسے دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے اور جس میں دباغت کی گنجائش ہی نہ ہو وہ پاک نہیں ہوتی، جیسے سانپ، چوہا، خنزیر اور انسان کی کھال۔ یہ کھالیں دباغت سے پاک نہیں ہوتیں کیونکہ انہیں دباغت دینا ممکن ہی نہیں ہے۔ دباغت سے کھال کے پاک ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

**(أيما إهاب دبغ فقد طهر)** [7]

"جو کوئی کھال دبغ کرے تو وہ پاک ہو جائے گا۔"

فقہاء نے اس حدیث کی بنیاد پر اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ کون سی کھال پاک ہو جاتی ہے اور کون سی نہیں ہوتی۔ حنفیہ کے مطابق

(1) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (92/1)

(2) الفيومي، المصباح المنير، ج 1/ص 28

(3) السرخسي، المبسوط، ج1/ص202

(4) الجرجاني، التعريفات، ج1، ص103

(5) ابن منظور، لسان العرب، ج4/ص504

(6) قلعجي وقنيبي، معجم لغة الفقهاء، ج1، ص 293

(7) الترمذي، سنن الترمذي، كتاب اللباس، باب ما جاء في جلود الميتة إذا دبغت، رقم الحديث (1728)، ج4، ص221، قال الألباني صحيح

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

دباغت تمام قسم کی کھالوں کو پاک کر دیتی ہے سوائے انسان اور خنزیر کی کھال کے۔ انہوں نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، البتہ انسان کی کھال کو اس کے محترم ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے اور خنزیر کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ قرآن میں اسے نجس قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ (1)

"یا خنزیر کا گوشت، کہ تو وہ نجس العین ہے۔"

اس آیت میں خنزیر کے جسم اور اس کے گوشت کو نجس قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کی کھال بھی اس کے جسم کا حصہ ہی ہے۔ حنفیہ نے حدیث کے عموم میں کتے کی کھال کو بھی شامل کیا ہے کیونکہ اس کے لعاب کی نجاست سے اس کا نجس العین ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس کے گوشت کا نجاست ہونا لازم آتا ہے جس سے لعاب پیدا ہوتا ہے، اس لیے وہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ (2)

جبکہ شوافع نے حنفیہ کی طرح ہر مردہ جانور، درندے اور ہر جاندار کی کھال کی طہارت میں اتفاق کیا ہے اگر وہ دبغ کی گئی ہو لیکن کتے کی کھال کی طہارت میں اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہ نجس العین ہے جیسے خنزیر۔ (3)

مالکیہ کے فقہاء کا مردہ جانوروں، خنزیر اور گدھے کی کھالوں کی طہارت کے بارے میں آپس میں ہی اختلاف ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ آیا حدیث میں طہارت کو لغوی معنی یعنی صفائی کے معنیٰ میں لیا جائے یا شرعی حقیقی معنی یعنی پاکی کے معنیٰ میں لیا جائے؟ ان میں سے بعض نے پہلے معنی کو ترجیح دی اور کہا کہ مردہ جانور، خنزیر اور گدھے کی کھال پاک نہیں ہے اور کچھ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی اور انہیں پاک قرار دیا ہے۔ (4)

حنابلہ فرماتے ہیں کہ جو چیز زندگی میں پاک تھی اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے لیکن جو چیز زندگی میں پاک نہیں تھی اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہو گی۔ (5)

ان آراء کا حاصل یہ ہے کہ اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ اگر کھال کو کسی طریقے سے دباغت دے دی جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

**ساتواں قاعدہ: الماء المطلق تزال به الأحداث والمقيد لا يزيل**

مطلق پانی یعنی جس پانی میں کوئی چیز شامل نہ ہو اور اس کا رنگ، بو اور ذائقہ نہ بدلا ہو اس سے حدث دور ہو جاتے ہیں جبکہ مقید پانی یعنی جس میں کوئی چیز شامل ہونے کی وجہ سے اس کا نام بدل جائے وہ حدث کو زائل نہیں کرتا۔ (6) اس قاعدہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

---

(1) الأنعام 6: 145

(2) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (1/93)

(3) الشافعي، أبو عبد الله محمد بن إدريس (٠٠ هـ) الأم، دار الفكر – بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٣ هـ م، ج1، ص11

(4) الإمام مالك، بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (ت هـ) المدونة، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٥ هـ م، ج1، ص183؛ الدسوقي، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير للدردير، ج1، ص56

(5) ابن قدامة، المغني، ج1، ص49

(6) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (1/72)

AL-AASAR Journal Vol. 2, No. 1 (2025)
Quarterly Research Journal Online ISSN: 3006-693X
www. al-aasar.com Print ISSN: 3006-6921

## قاعدہ کا مفہوم

### 1۔ لغوی واصطلاحی معنیٰ

"الماء المطلق" سے مراد وہ پانی ہے جو اپنی اصل خلقت پر باقی رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔[1]

"الأحداث" حدث کی جمع ہے، "حدث" کا لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کا وقوع پذیر ہونا۔ اور اس سے مراد شرعی طور پر طہارت کو توڑنے والی حالت ہے جس کی موجودگی میں نماز اور طواف کعبہ نہیں ہو سکتا۔[2]

"حدث شرعی" سے مراد وہ نجاست حکمی ہے جو نماز اور دیگر چیزوں سے روکتی ہے۔[3]

الماء المقید: اس پانی کو کہتے ہیں جس میں کوئی اور چیز شامل ہو جائے اور اس کے لیے صرف "پانی" کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر، گلاب کا عرق، پھولوں کا رس، تربوز کا پانی وغیرہ۔[4]

### 2۔ مجموعی مفہوم

اس قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ مطلق پانی جو اپنی اصل خلقت پر باقی رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور اس میں اس کی صفات کے علاوہ کوئی چیز نہ ہو تو وہ طہور یعنی پاک کرنے والا ہے اور اس سے حدث اور نجاستیں دونوں دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن جس پانی کی صفات میں کسی اور چیز کے ملنے سے تبدیلی آ جائے تو اگر اس میں تبدیلی زیادہ اور غالب ہو جائے تو وضو اور حدث اور نجاستوں کو دور کرنے کے لیے اس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔

### 3۔ عملی تطبیق اور عصری استفادہ

اس قاعدہ پر عبادات اور طہارات کے بعض مسائل مبنی ہیں جن میں سے ایک مسئلہ مخلوط پانی سے طہارت حاصل کرنے کا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام کا خیال ہے کہ اگر پانی میں کوئی اور پاک چیز مل جائے جیسے زعفران وغیرہ، تو اس کا حکم اس بات پر مبنی ہے کہ وہ اس چیز کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے مقید پانی بن گیا ہے یا ابھی اس پر مطلق پانی کا ہی لفظ بولا جاتا ہے اور کیا وہ چیز پانی پر غالب ہے یا پانی اس پر غالب ہے؟ اگر پانی غالب ہو اور اس چیز سے پانی کی صفات تبدیل نہ ہوں تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے لیکن اگر وہ چیز پانی کی صفات کو اس طرح بدل دے کہ جس سے پانی اپنی فطرت سے ہی نکل جائے تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً جس پانی میں زعفران مل جائے، اگر زعفران مغلوب ہو اور پانی کی کسی صفت کو نہ بدل دے تو اس سے طہارت جائز ہے لیکن اگر وہ پانی کی صفات کو اس طرح بدل دے کہ اسے اس کی فطرت سے خارج کر دے تو اس سے طہارت جائز نہیں ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔[5]

جبکہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ فقہاء کی اکثریت اس بات پر کی قائل ہے کہ اگر پانی میں زعفران یا کوئی اور طاہر چیز مل جائے جو پانی پر

---

(1) القرافي، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس (ت هـ) الفروق، عالم الكتب، بدون طبعة، 2/117

(2) الفيومي، أحمد بن محمد بن علي، أبو العباس (ت ٠ هـ) المصباح المنير في غريب الشرح الكبير، المكتبة العلمية – بيروت، (1/124)

(3) الجرجاني، التعريفات، ج1، ص 82

(4) القرافي، الفروق، 2/117

(5) فتح القدير للكمال بن الهمام ط الحلبي (72/1)

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 2, No. 1 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

غالب نہ ہو اور اس کی کسی صفت کو نہ بدلے تو وہ پانی اپنی ذات میں طاہر رہتا ہے لیکن دوسروں کے لیے مطہر نہیں ہوتا۔[1]

**حاصل کلام**

فقہی قواعد اسلامی قانون میں ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے ہیں، جو ہر دور کے چیلنجز کے مطابق اجتہاد کی راہیں ہموار کرتے ہیں۔ طہارت سے متعلق قواعد فقہیہ صرف روایتی فقہی مسائل کو حل کرنے تک محدود نہیں، بلکہ ان کے ذریعے عصر حاضر میں طہارت کے جدید مسائل کا حل بھی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اس تحقیق میں علامہ ابن ہمام کے بیان کردہ سات بنیادی قواعد فقہیہ کا تجزیہ کیا گیا، جن میں الیقین لا یزال بالشک اور الضرورات تبیح المحظورات جیسے اصول شامل ہیں۔ ان قواعد کے ذریعے اسلامی طہارت کے اصولوں کو سائنسی اور معاشرتی ضروریات کے تناظر میں زیادہ واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ حاصل مطالعہ یہ ہے کہ فقہی قواعد، اجتہادی اصولوں کی روشنی میں، آج کے جدید مسائل کو اسلامی قانون کے دائرہ کار میں حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اور ان کے اطلاق سے امت مسلمہ کو درپیش فقہی چیلنجز کا قابل عمل حل فراہم کیا جا سکتا ہے۔

(1) ابن رشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج1/ص33. الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد البصري (ت ٠هـ) الحاوي الكبير، دار مكتبة الحياة، بدون طبعة، ج1/ص52